اسلام کی حکومت صالحہ اور اُس کی ذمّہ داریاں

جناب مولینا اسماعیل صاحب - گوجرانوالہ

یہ مضمون مختصر اور جامع ہونے کی دو گونہ صفات کو جمع کرنے کی ایک بہترین مثال پیش کرتا ہے۔ اس کے مطالعے سے شریعت اسلامیہ کے بعض ایسے سیاسی و معاشی پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے جو عوام ابھی نہیں، علماء حضرات کی نگاہوں سے بھی اوجھل ہیں۔ قارئین یہ ملحوظ رکھیں کہ اس مضمون میں شریعت کی ترجمانی کرتے ہوئے جناب مؤلف نے پوری احتیاط برتی ہے اور مختلف مسائل کی دو طرفہ آخری سرحدوں کے نشانات متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ اِدھر یا اُدھر بڑھیں تو قدم کن حدود اللہ پر رک جانے چاہئیں۔ لہٰذا ان حدود کو پہچاننا ضروری ہے۔ یہ مضمون ان لوگوں کی رہنمائی کے لئے نہیں لکھا گیا ہے جو اختتامی حدود سے آغازِ کار فرماتے ہیں۔ یہاں خطاب محتاط و متقی افراد سے ہے!

جنابِ مؤلف نے یہ پُر مغز مضمون لکھ کر دراصل اس بات کا ثبوت فراہم کیا ہے کہ انہوں نے موجودہ دور کے (اور خصوصاً پاکستان کے احوال کے) اُن تقاضوں کو محسوس کر لیا ہے جن کا تعلق حضرات علماء سے ہے۔ خدا کرے کہ اس قابلِ تقلید مثال سے دوسرے اکابر علماء میں بھی احساسِ ذمہ داری ابھرے، اور وہ علمِ کلام اور فقہ کی جزئی بحثوں اور دینی مجالس کی رسمی مناظرہ آرائیوں کے مشاغل سے فارغ ہو کر بے دینی، الحاد اور فسق و فجور کے خلاف ایک مشترکہ محاذ پر دین کی ٹھوس سیاسی اور معاشی اور اخلاقی فکر اور صالحیت و تقویٰ کے اسلحہ سے آراستہ ہو کر آ کھڑے ہوں۔ دورِ جدید کے انسان ساختہ سیاسی اور معاشی فلسفے اور نظام گونا گوں فتنوں کا طوفان مچاتے سارے کرۂ ارض پر دندنا رہے ہیں اور صرف ارضِ پاکستان ہی میں اس کا موقع ہے کہ دین کے علمبرداران فتنوں کے سامنے سینہ سپر ہو کے صف آرا ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ علماء و صالحین کو اسکی توفیق دے کہ پیشِ نظر فکری، اخلاقی اور سیاسی معرکہ میں اپنے فرائض سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہوں۔

ورنہ ان کی کوتاہیوں سے اگر پاکستان کی تقدیر — اور اس کے ساتھ پوری نوعِ انسانی کی تقدیر — بگڑ گئی تو خدا کی عدالت میں ان سے آنے والی پوری تاریخ کے مفاسد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

(ن ص)

انقلاب مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۴۹ء میں چند گذارشات شائع ہوئیں۔ جن میں شخصی ملکیت کے احترام کا تذکرہ تھا جسے اسلام نے اپنے نظامِ معاشرہ میں ملحوظ رکھا ہے۔ اس کے آخر میں ان ممکن اصلاحات کا بھی مختصراً ذکر تھا جو مزدور یا کسان کے متعلق اسلامی نظام میں ہو سکتی ہیں۔ خیال تھا کہ یہ حصہ ذرا بسط سے لکھا جائے۔

مضمون کے شائع ہوتے ہی بعض حلقوں سے اس پر عامیانہ تنقید ہوئی جسے میری گذارشات سے چنداں تعلق نہ تھا۔ جو سوالات دریافت فرمائے گئے ان کا جواب گذارشات میں موجود تھا۔ اس پر توجہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ مذاق و تمسخر بعض حلقوں کا مخصوص علم کلام ہے جس کی افادیت کا میں قائل نہیں۔

بعض حلقے غلبہ اور حق کو مرادف سمجھتے ہیں، اس لئے ان کی اصطلاح میں ہر غالب مجتہد ہے اور امامِ وقت اور یہ ہے حق اور غلط نظریہ اگر غالب ہو جائے تو ان کی نظر میں وہ کتاب و سنت کا نعم البدل ہے۔ میری دانست میں یہ سب فریبِ نظر ہے، حق وہی ہے جسے عقلِ سلیم کی حمایت حاصل ہو اور کتاب و سنت کی تائید۔ عقلِ سلیم اور کتاب و سنت کا ماخذ ایک ہے:۔ ھو الذی انزل الکتاب بالحق والمیزان۔ میزان سے مراد عقلِ سلیم ہے

میں نے دوسری قسط کو ارادۃً ملتوی کر دیا تاکہ علمی اور دینی حلقوں میں اس کا ردِ عمل معلوم ہو جائے۔ اس عرصہ میں جناب سے تبادلۂ خیالات ہوتا رہا اور میں ان کے خیالات سے مستفید ہوا۔ اخبارات میں بھی بعض مضامین چھپے مگر بہت کم

آج کے مسائل | آج کے پیش آمدہ مسائل اور ان کی جزئیات ایسی تو ہیں نہیں کہ کوئی فقہ کی کتاب نکال کر فتوے لکھ دیا جائے اور اپنے مکتبِ فکر کے متوسلین کو مطمئن کر دیا جائے، بلکہ ان جزئیات کے متعلق مروجہ فقہیں کافی حد تک خاموش ہیں، اس لئے اصول و ادلہ کی طرف رجوع کی ضرورت ہے جس کے لئے علم کے ساتھ دیانت اور تقویٰ کا ہونا ضروری ہے۔ فی الواقع یہ زندگی کے اہم مسائل ہیں جو نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔ نہ ہی یہ مخصوص فقہی جزئیات ایسے ہیں کہ جن میں غلطی ہو جانے سے باقی نظام پر کوئی نمایاں اثر نہ ہو سکے۔ بلکہ یہاں تو ایک پورا نظام ہے جس کا مقابلہ ایک دوسرے نظام سے ہے اور دونوں نظام بعض مقامات پر پوری طرح متصادم ہیں جن میں تطبیق ناممکن ہے،

جیسے جمع بین الضدین۔

اگر دیانت سے مزاج بالکل خالی نہ ہو تو ایک کمیونسٹ اور مسلمان میں اتنا ہی فرق ہے جتنا مشرک اور موحد میں، اندھیرے اور روشنی میں، گرمی اور سردی میں۔ ھل یستویان مثلاً؟

سرمایہ دارانہ نظام کا اثر پھر یورپ کے سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ صدیوں کی غیر شعوری سازگاری یا جبری تعاون کی وجہ سے اپنا مزاج کچھ اس قدر غیر معتدل ہو چکا ہے کہ دماغ کے وہ پرزے ہی زنگ آلود ہو چکے ہیں جو قدرت نے ایسے مسائل کو حل کرنے کے لئے ودیعت فرمائے تھے۔ دماغ کی پختگی مدتوں سے رخصت ہو چکی۔ عاقبت اندیشی اور پختہ خیالی کے دماغ عادی ہی نہیں رہے۔ ہیجانی تحریکات سے دماغ اتنی جلدی متاثر ہوتے ہیں کہ بعض اوقات اپنی تاریخ پر بدگمانی ہوتی ہے کہ ہم کبھی پختہ خیال تھے بھی؟ ذوقی مسائل پر عرفی مناقشات کی طبیعت اس قدر عادی ہو چکی ہے کہ دانشمندانہ گفتگو کی عادت ہی نہیں رہی۔ اس وجہ سے جب مروجہ فقہی اور فروعی مذاہب سے بالا ہو کر براہ راست کتاب وسنت سے استفادہ کی ضرورت پیش آ جائے تو ہم اپنی تمام تر توکوشش اور بیکار پلٹتے ہیں۔

انگریز نے سو سالہ عہدِ حکومت میں ایک بڑی کامیابی حاصل کی ہے، وہ یہ کہ اس نے ہم کو اپنے ملی علوم اور دینی معارف سے تہیدست کر دیا ہے، پورے معاشرہ پر جمود طاری ہو چکا ہے، ذاتی اور انفرادی مفاد کے لئے ہم لوگ وقف ہو چکے ہیں، اجتماعی اور قومی مسائل قابل توجہ ہی نہیں۔ اگر آپ اپنی سمجھ کے موافق کچھ کریں تو اس گنگوں اور بہروں کی بستی میں بہت کم کان ہوں گے جو آپ کی سنیں اور کم زبانیں ہوں گی جو آپ کی ہمنوا ہوں۔ تاہم مقام شکر ہے کہ کچھ اربابِ فکر ادائے فرض کے طور پر کچھ کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ اصحاب ہمت پیدا ہوں گے اور اپنی ذمہ داریوں کو سنبھال کر دنیا کی قیادت کا فرض انجام دیں گے۔

موجودہ صورت حال یاس انگیز ہے "قطب نما چوروں نے معاشرہ کو اپنی پیٹ میں لے لیا ہے۔ ذہن مسموم کر دیئے گئے ہیں۔ قوائے فکر میں تعطل پیدا کر دیا گیا ہے۔ زبانوں پر آرڈیننسوں کے پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں۔ کعبے کے پرستاروں کا رخ سیدھا لندن کی طرف کر دیا گیا ہے۔ کبھی کبھی اسلام کا نام اس انداز سے لے دیا جاتا ہے کہ بے چین اور مضطرب طبیعتیں بے داری سے آشنا نہ ہو سکیں۔ ہماری موجودہ قیادت سے

بظاہر ایسی کوئی امید وابستہ نہیں کی جا سکتی جس سے اسلام کی سربلندی کا کوئی شبہ بھی پیدا ہو سکے۔

آج کے مسائل کا حل کاشت کار اور مزدور کے مسائل کا حل اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں نے کیا ہے اور اسلام نے بھی ان مسائل کا حل فرمایا ہے۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے حل میں تخریبی جراثیم نمایاں ہیں۔ سرمایہ داری ایک صدی کے بعد ایسے مقام پر آکھڑی ہوئی ہے کہ زندگی سے زیادہ اس کی موت کے آثار نمایاں ہیں۔ اس نے مزدور کو ایک ایسے انقلاب کے لئے تیار کر دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے لئے لوٹ مار اور غنڈہ ازم، غرض ہر جرم کے لئے آمادہ ہے۔ سرمایہ داری نے بے آئینی کو آئین کی صورت دے کر صورتِ حال کو اتنا خراب کر دیا ہے کہ اصلاح کی کوئی تجویز بار آور نہ ہو سکے گی۔ یہ ساری صورتِ حال سرمایہ دار کی پیدا کردہ ہے۔ ع اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔ ذالک بما کسبت ایدیکم ولیعفو عن کثیر۔

اشتراکیت نے اپنے حل کی بنیاد ہی غصب اور لوٹ پر رکھی ہے۔ اس نے اخلاق کی صنعتیں بدل دی ہیں۔ دیانت کی اصطلاح ہی وہاں ناپید ہے۔ وہاں مذہب کی انفرادی آبرو بھی خطرے میں ہے۔ خدا کا نام اور ایمان کا تذکرہ اس کے پروگرام سے بالکل خارج ہے۔ اس کے قانون میں دولتمند کے لئے کوئی انصاف نہیں۔ وہ روٹی اور پیٹ کے لئے وہ سب کچھ کر سکتا ہے جو آج سے پہلے اخلاقی جرم تھا۔ وہ ایک جیب سے سرمایہ دوسری جیب میں منتقل کرے گا۔ اس کے قانون میں اپنے مخالف کے لئے کوئی لچک نہیں۔ اس کا نظام سراسر تخریبی ہے۔ وہ دوسرے کی دولت پر غیر آئینی قبضہ کو آئین تصور کرتا ہے۔ فرمایئے اس حل سے امن کی امید کیونکر رکھی جائے؟۔

اشتراکیت فسادات کے جلو میں بڑھ رہی ہے۔ اندرونی اور بیرونی فسادات ملک کے امن کو مخدوش کر رہے ہیں سب بے فکرے دوسروں کی کمائی کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ مختلف ممالک میں اشتراکیت کی ترقی کی رفتار اصحاب بصیرت کے سامنے ہے اور ان کا لائحہ عمل واضح۔ اس سے کسی امن پسندانہ حل کی امید محض سراب ہے۔ وہاں قوت ہی معیارِ فیصلہ ہے، جس کے پاس ہو!

اسلام کا حل اسلام نے اپنے نظام میں سرمایہ دار اور مزدور دونوں کے لئے حقوق متعین فرمائے ہیں اسی طرح زمیندار اور مزارعہ کو بھی باہمی معاہدہ کا اختیار دے کر ارشاد فرمایا المومنون علیٰ شروطہم مومن اپنی شرائط

کے پابند ہیں، جب تک وہ حق تلفی یا کسی حرام کے مرتکب نہ ہوں۔ میں نے یہاں سرمایہ دار کا لفظ عام عرف کے مطابق استعمال کیا ہے، ورنہ اسلام کی اصطلاح میں مسلمان سرمایہ دار ہو ہی نہیں سکتا۔ شرعاً سرمایہ دار وہ شخص ہے جو زکوٰۃ اور دیگر حقوق ادا نہ کرے۔ معلوم ہے کہ اسلام میں ایسے شخص کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام کو نہ دولتمند سے دشمنی ہے، نہ فقیر سے محبت، نہ کسان سے بغض ہے، نہ زمیندار سے الفت، اس کے نظام میں ہر ایک کے حقوق اور حدود متعین ہیں۔ جو ان حدود کو توڑے گا اسلام کی نظر میں وہ قابل نفرت ہوگا۔ محض سرمایہ دار اور مزدور کے عنوان سے تو وہاں محبت ہے نہ بغض۔

اساسی نکات اسلام کے نظام میں حکومت کے بنیادی نکات پانچ ہیں:۔ (۱) انصاف (۲) شوریٰ (۳) انتخاب (۴) اخلاق و اعمال صالحہ (۵) عوام کی خدمت۔

انصاف ہر معاملہ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس پر کسی بحث و استدلال کی ضرورت نہیں۔ شوریٰ اور انتخاب آج کے اہم مسائل میں سے ہیں۔ ان پر مفصل بحث کسی دوسری صحبت میں ہوگی۔ انشاءاللہ۔

اس وقت حکومت کے اخلاق و فرائض پر گفتگو کرنا پیش نظر ہے، تاکہ معلوم ہو کہ اسلام میں اس عہدہ کی حیثیت کیا ہے اور اس کی ذمہ داریاں کیا کیا ہیں!

حکومت اور حکام کا ذاتی کیریکٹر (۱) آیت استخلاف میں تمکن فی الارض اور خلافت کے بعد حکام اور عمال کے اخلاق اس طرح بیان ہوئے ہیں:۔ یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون (۲۴–۵۵) مشرک اور بے دین آدمی جو اعمال صالحہ سے عاری ہے اس مقام کی اہلیت نہیں رکھتا اور نہ ہی اسلامی حکومت میں اسے کوئی کلیدی عہدہ سپرد کیا جا سکتا ہے۔ اگر فساق اور بدعمل لوگ اس مقدس مقام پر قابض ہو گئے ہوں تو نتیجہ یقینی ناکامی کی صورت میں ہوگا اور دنیا فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے گی۔

اذا کان الغراب دلیل قوم۔ سیہدیہم الی جیف الکلاب۔ دوسری آیت میں فرمایا: الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور (۲۲–۴۱) اگر ان کو حکومت مل جائے تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، دستور اور قانون کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ اور انجام کار اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ یہاں عمال حکومت کے ذاتی اخلاق میں ان

چار چیزوں کو اہمیت دی گئی ہے۔ آج ہماری قیادت میں، ایسے نااہل حضرات برسرِ اقتدار آ گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ آنحضرت کی اطاعت ساری خرابیوں کی بنیاد ہے۔ ع تفو بر تو اے چرخ گردان تفو۔

ہرقل نے جب رومی فوجوں کی متواتر شکست اور پسپائی کے متعلق رپورٹ طلب کی تو ایک بوڑھے رومی نے ان الفاظ میں اسلامی لشکر کے اخلاق کا تذکرہ کیا۔

"فقال شیخ من عظمائهم من اجل انهم یقومون اللیل ویصومون النهار ویوفون بالعهد ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویتناصفون بینهم ومن اجل انا نشرب الخمر ونزنی ونرکب الحرام وننقض العهد ونغصب ونظلم ونامر بالسخط وننهی عما یرضی الله ونفسد فی الارض فقال انت صدقتنی (البدایہ ۷-۱۵)

مسلمان رات کو قیام کرتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں، وعدہ پورا کرتے ہیں، اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں، بری باتوں سے روکتے ہیں اور باہم انصاف کرتے ہیں۔ اور ہم لوگ تمام معاملات ان کے الٹ کرتے ہیں۔ ہرقل نے اس کی تصدیق کی۔ جب ایک فوجی سپاہی کا یہ اخلاق ہو تو اربابِ حل و عقد، وزراء اور ذمہ دار آدمیوں کا کیرکٹر تو اس سے کہیں بلند ہونا چاہیے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق تقویٰ، عفت، عملِ صالح اربابِ حکومت کے لئے ضروری ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

حکومت اور حکام کی ذمہ داریاں آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔ "سید القوم خادمهم" قوم کے سردار کی حیثیت خادم کی ہے۔ ایک حدیث میں ہے "ما من عبد یسترعیه الله رعیة یموت یوم یموت وهو غاش لرعیته الا حرم الله علیه الجنة" (مسلم) اگر بادشاہ اپنی رعیت سے دھوکہ کرے تو جنت کی خوشبو اس پر حرام ہے۔ ایک حدیث میں ہے "احب الخلق الی الله امام عادل وابغضهم الی الله امام جائر" عادل بادشاہ اللہ کو محبوب اور ظالم بادشاہ سے خدا تعالیٰ کو نفرت ہے۔ ابوذرؓ فرماتے ہیں "انها امانة وانها یوم القیامة خزی وندامة الا من اخذها بحقها وادی الذی علیه فیها" حکومت امانت ہے۔ اگر اس کا صحیح طور پر حق ادا نہ کیا گیا تو قیامت کے دن [illegible] شرمندگی کا موجب ہوگی

ابوذر غفاری [illegible] امیر بنانا چاہا [illegible] تو آپ نے [illegible] ضعیف، انها امانة [illegible] ابوذر تم کمزور ہو [illegible] یہ امانت ہے [illegible]

لئے کہا کہ ابو مسلم جو کہہ رہے ہیں، اسے خوب سمجھتے ہیں، انہیں کہنے دو۔ ابو مسلم نے فرمایا "انما انت اجیر استاجرک رب ھذہ الغنم لرعایتہا فان ھنات جرباھا وداویت مرضاھا وحبست اولاھا علی اخراھا وفاک سیدھا اجرک" الخ تمہیں خدا نے بکریاں چرانے کے لئے مزدور رکھا ہے اگر تم ان کی صحت اور دوسری ضروریات کا خیال رکھو گے تو ان کا مالک (اللہ) تمہیں پوری مزدوری دے گا اگر تم نے یہ حقوق پورے نہ کئے تو تمہیں سزا دے گی۔

اسلامی نظام کے مطابق حکومت اعزازی خدمت کا مقام ہے، یہ دولت کمانے اور ثروت کا ذریعہ نہیں۔ اس لئے مسلمان خلفاء کی زندگی فقیرانہ تھی۔ عمر بن عبد العزیز کے لڑکوں کو ان کی متروکہ جائداد سے پانچ پانچ روپیہ سے بھی کم ملا۔ حضرت عمرؓ کی اپنی زندگی بہت سادہ تھی، چادر پر چمڑے کے کئی کئی پیوند لگاتے تھے۔ اسلام میں یہ ذمہ داری وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو اپنی زندگی مشکلات کے حوالہ کر دیتے اور عوام کے لئے آسانیاں مہیا کرتے ہیں، اس لئے وہاں خیانت، رشوت اور کنبہ پروری کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسلامی اخلاق کی موت نے تباہی برپا کر دی ہے۔ صحیح بخاری میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:۔

"قال اذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ قال یا رسول اللہ وما اضاعتہا قال اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ" (بخاری) جب امانت ضائع ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا گیا کہ امانت کے ضائع ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا جب حکومتوں کے ذمہ دار نا اہل لوگ قرار پانے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ نالائق قیادت اور نا اہل عمال حکومت فی الحقیقت دنیا میں قیامت برپا کر دیتے ہیں مشرقی پنجاب کے مظالم اور مغربی پنجاب کے بعض خونیں حوادث کی تہہ میں لیڈروں اور ذمہ دار افسروں کی نا اہلیت کے سوا آخر کیا سبب کام کر رہا تھا؟ اول تو انتقال آبادی کا فتنہ خود اکابر کی نالائقی کا نتیجہ تھا، اور اگر یہ ناگزیر تھا تو اسے پرامن طریق سے کیا جا سکتا تھا، مگر لوٹ کے خواہشمند امن کی آرزو کیوں کرتے؟

حکام کے اخراجات و طریق معیشت

اسلامی حکومت کے متعلق جو کچھ پہلے ذکر ہوا، اس کی تائید ان اخراجات سے ہوتی ہے جو بجٹ میں خلیفہ کے لئے طے پائے۔ فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ بیت المال میں خلیفہ کا صرف اتنا حق ہے کہ گرمی اور سردی کے لئے دو چادریں لے لے اور ایک متوسط الحال آدمی کے برابر

اپنے کنبہ اور عیال کا خرچ اسے دے دیا جائے، اس کے علاوہ وہ باقی مسلمانوں کے برابر ہے۔ عہدہ داروں تک عہد لیتے کہ ترکی گھوڑے پر سواری نہ کرنا، میدہ اور چپاتی نہ کھانا اور حاجتمندوں پہ اپنے دروازے بند نہ کرنا

امیر معاویہ کا قول ہے:۔ ابوبکر لم یرد الدنیا ولم تردہ واما عمر فارادتہ ولم یردھا واما نحن فتمرغنا فیہا ظہرا لبطن" (البدایہ) ابوبکرؓ نہ دنیا چاہتے تھے اور نہ دنیا نے انہیں چاہا، عمرؓ کو دنیا نے پسند کیا لیکن عمرؓ نے دنیا کو ناپسند کردیا، ہم تو دنیا میں لت پت ہو گئے۔ استغنا کی یہ کیفیت ہے جو اسلامی حکومت کے لئے امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور کتنا جامع تجزیہ ہے جو دونوں خلفاء کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

احساس ذمہ داری اور جذبہ خدمت حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "لو ان جملا ھلک بشط الفرات لخشیت ان یسئل اللہ عنہ ابن الخطاب" اگر فرات کے کنارے پر اونٹ مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ عمرؓ کو اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ طلحہ بن عبداللہ فرماتے ہیں حضرت عمر ایک رات ایک مکان میں تشریف لے گئے، مجھے بدگمانی ہوئی میں صبح اس مکان میں گیا وہاں ایک اندھی بوڑھی بے دست و پا عورت رہتی تھی، میں نے اس سے پوچھا تمہارے پاس رات کوئی آیا تھا؟ اس نے کہا یہ شخص مدت سے رات کو آتا ہے، میرا سامان سلیقہ سے رکھ جاتا ہے، مکان صاف کرکے کوڑا باہر ڈال جاتا ہے، طلحہ فرماتے ہیں، میں بہت شرمندہ ہوا کہ میں عمرؓ کے عیب تلاش کرتا ہوں؟

ایک رات حضرت عمرؓ مدینہ کے اطراف میں دوڑ رہے تھے، حضرت علیؓ نے وجہ دریافت کی، فرمایا بیت المال کے کچھ اونٹ گم ہو گئے ان کی تلاش میں پھر رہا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے قبیلہ خزاعہ کا رجسٹر نکالا، اس کی بیوہ اور کنواریوں کے نام درج تھے، خلیفہ نے ہر ایک کا وظیفہ اس کے ہاتھ میں دیا۔ فرمایا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ ہر علاقہ کا دورہ خود کروں اور مصیبت زدہ لوگوں کی شکایات خود سنوں۔ مجھے گمان ہے کہ حکام تساہل کرتے ہیں اور شکایات مجھ تک نہیں پہنچاتے۔

اسی فرض شناسی اور رعایا پروری کا یہ اثر تھا کہ لوگ حضرت عمرؓ سے بہت ڈرتے تھے "لم یکن عمر یحتمل الاذیۃ وھی عصا صغیرۃ کالمخصرۃ کانت دائما فی یدہ اذا سار وکان الناس یھابونھا اکثر مما تخیفہم السیوف القاطعۃ (محاضرات ۲-۲۲) حضرت عمرؓ کا درہ ایک چھوٹی سی چھڑی تھی جو آپ کے

ہاتھ میں ہوتی - لوگوں پر اس کی ہیبت تلوار سے بھی زیادہ تھی - یہ فرض شناسی کا لازمی اثر ہے - غیر ذمہ دار حکومت اپنا وقار بہت جلد کھو بیٹھتی ہے -

حکومت کا فرض جب حکومت کی مالی حالت اچھی ہوگئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا "من ترک مالا فھو لورثتہ و من ترک کلا او ضیاعا فھو علی والی" (ابوداؤد) میت کا مال ترکہ ورثاء کا حق ہے - قرض اور چھوٹے بچے حکومت کی تحویل میں ہوں گے یعنی غیر مستطیع اور نادار آدمیوں کا قرض حکومت ادا کرے گی اور چھوٹے بچوں کی تربیت بھی حکومت کے ذمہ ہوگی - فضل بن عباس اور ان کے ایک رفیق آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ ہمیں نکاح کی ضرورت ہے، اس لئے آپ ہمیں کام پر لگا دیجئے ہم بیکار ہیں - آنحضرتؐ نے نکاح کا انتظام کر دیا اور کام کے متعلق مفید مشورے دیئے (مسلم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوجوانوں کی متاہل زندگی میں بھی حکومت کی ذمہ داری ہے، اور کام مہیا کرنا بھی حکومت کے ذمہ تھا اسی لئے صحابہ ایسے معاملات میں آنحضرتؐ اور خلفاء کی طرف رجوع کرتے تھے -

قومی ملکیت کا مسئلہ کارخانوں اور زمینوں اور اہم صنعتوں کو قومی ملکیت قرار دینے کا مسئلہ آج کل ہمارے جرائد کا خوش کن موضوع ہے - ارباب اقتدار، اصحاب جرائد، علماء اور عوام عموماً اشتراکی نظریہ سے کچھ نہ کچھ متاثر ہیں - کارخانہ داروں اور زمینداروں کی بدمعاملگی بھی عوام میں انتقامی صورت اختیار کر رہی ہے، اس لئے قومی ملکیت کے جواز کی کوشش اور رجحانات عام ہو رہے ہیں - بعض حضرات نصوص شرعیہ سے اسے کشید کرنے کی سعی فرما رہے ہیں - چونکہ مجوزین کی طرف سے اس کے متعلق کوئی مکمل اور تفصیلی لائحہ عمل پیش نہیں کیا گیا، اس لئے شرعی طور پر اس کے متعلق علی وجہ البصیرت کچھ کہنا مشکل ہے -

آج کل اخبارات میں مسلم لیگ کی زمینداره اصلاح کمیٹی کی ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے، وہ بھی مجمل، بلکہ مبہم ہے، اس لئے اس کے متعلق تفصیلاً سر دست کچھ کہنا مشکل اور قبل از وقت ہے - البتہ اسلامی تعلیمات پر نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کی قومی ملکیت کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں جائز اور صحیح طریق پر جو زمین خریدی گئی ہو اور جو کارخانے صحیح شرعی شرائط کے مطابق اپنے ذاتی اموال سے قائم کئے گئے ہوں، انہیں جبراً بالعوض یا بلا عوض حکومت اپنے قبضہ میں نہیں کر سکتی -

ایک ظالم زمیندار کو حکومت سزا دے سکتی ہے، کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت کر سکتی ہے، بلکہ اس کا فرض ہے کہ انہیں ظلم سے بچائے۔ ان کے حقوق کی تعیین اور تحصیل میں ان کی پوری مدد ہونی چاہیئے، اسی طرح کارخانہ دار اگر مزدور پر ظلم کرتا ہے تو حکومت کو اس میں مداخلت کر کے مزدور کی حفاظت کرنا چاہیئے، لیکن حفاظت کا یہ طریق کہ کسی ملک کو اصل مالک سے چھین کر حکومت اسے اپنی ملکیت میں لے لے، یہ ظلم ہے۔ اگر مزدور اور کسان پر ظلم ناجائز ہے تو زمیندار اور کارخانہ دار پر ظلم کیوں جائز ہے؟

یہ صحیح ہے کہ کارخانہ دار اور زمیندار اپنی دولت کے سہارے پر زنا بالجبر اور اغوا اور عیاشی اور قتل ایسے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ جرائم ہیں جن کا انسداد حکومت پر فرض ہے، لیکن یہ چیزیں دوسرے ظلم کے لئے بہانہ نہیں بن سکتیں۔ یہ میری رائے ہے، علماء اور سیاسیین کا فرض ہے کہ اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کریں، اندھا دھند عوام اور اشتراکی عناصر کی تقلید سے بچیں۔ ان مسائل میں دوراندیشی اور عاقبت بینی سے سوچنا چاہیئے۔

جو جاگیریں ناجائز خدمات کے صلہ میں حاصل کیگئی ہیں انہیں توڑا جاسکتا ہے جو جائدادیں جھوٹے مقدمات کی بدولت پیدا کیگئی ہیں وہ حقداروں کو واپس ملنی چاہئیں۔ جن زمینداروں نے انگریزی قانون کے سہارے پر لڑکیوں کو حصہ نہیں دیا ان کی زمینیں شرعی قانون کے مطابق تقسیم ہونی چاہئیں لیکن جائز ملکیتوں کو محض قوت کے سہارے پر جبراً خریدنے کی کوشش کرنا شرعاً صحیح نہیں ہوگا۔

جس قسم کی حکومتیں پاکستان اور ہندوستان میں اس وقت برسرِ اقتدار ہیں، دو سال کے طرزِ حکومت سے انہوں نے جس اہلیت کا ثبوت دیا، الاٹمنٹوں میں جس بے انصافی پسندی کا مظاہرہ ہوا ہے، کنبہ پروری اور دوست نوازی کی جس طرح داد دی گئی ہے، مہاجر کیمپوں میں عصمت دری کا ارتکاب جس جرأت اور دلیری سے کیا گیا ہے، اس کے پیش نظر کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے کہ اب قومی ملکیت میں لئے ہوئے املاک کی افادیت مستحقوں کو مل سکیگی اور ان میں ویسے ہی جرائم کا ارتکاب نہیں ہوگا جن کی طبائع برسوں سے عادی ہو چکی ہیں۔ فرض کیجیے کہ آج جو لوگ برسرِ اقتدار ہیں وہ فرشتہ سیرت ہیں، ان پر ہمیں اعتماد ہے، وہ املاک کی تقسیم اور ان کے اخذ میں حدود انصاف اور قوانین شریعت سے سر مو تجاوز نہیں کریں گے، لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ کل ان کی جگہ شیاطین مسلط نہ ہو جائیں گے جن کا آئینِ حکومت ظلم و عدوان ہو، غصب و انتہاب ہو۔ اگر غصب اور لوٹ کو یہ آئینی صورت دے دی گئی تو آج کے کر یہ کل اگر قوت حاصل کر لیں گے تو اس لوٹ کی واپسی یا نئی لوٹ کے لئے

وہ اداکیں بنائیں گے ، اس لئے اس رسیم ظلم کا تجربہ صرف روس تک محدود رہنا چاہیئے ۔

حکومت کی ملکیت | اسلامی آئین کے مطابق حکومت کی ملکیت میں تین قسم کے اموال ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں "الاموال السلطانیہ التی اصلہا فی الکتاب والسنۃ ثلاثۃ اصناف الغنیمۃ، والصدقۃ والفئ" (السیاسۃ الشرعیہ ۔ ۴۰) حکومت کی ملکیت تین قسم کے مال ہیں:۔ غنیمت[۱]، صدقات[۲] اور فئی[۳] شیخ الاسلام نے تینوں اقسام پر کسی قدر تفصیلاً بحث فرمائی ہے ۔ حکومت کا حق ہے کہ ان اموال کو مستحقین کی رفاہیت اور خوشحالی میں خرچ کرے ۔ اس کے علاوہ بھی بعض اور اموال بیت المال میں آسکتے ہیں اور حکومت انہیں عوام کے مفاد میں خرچ کر سکتی ہے ۔ عوام کی خیر خواہی اگر پیش نظر ہو تو رعیت سے غصب کرنے کے بجائے حکومت کے عمال اپنے مصارف پر بھی اگر نظر ثانی کریں تو عوام کے لئے بہت کچھ بچ سکتا ہے ۔ ہزاروں روپے تنخواہوں میں اور لاکھوں روپے ٹی اے میں وصول کرنا اسلامی طریق حکومت نہیں ہے ۔ میں نے عرض کیا ہے کہ یہ خدمت کے لئے ایک اعزازی عہدہ ہے ، اسے اسلام نے کمائی اور ثروت کا ذریعہ نہیں بنایا ، نہ ہی یہ ضروری ہے کہ حکومت لوگوں کی جائیدادوں پر خود قابض ہو ۔

حکومت کا تصرف | ملکیت کی شرعی صورت تو یہی ہے جو مذکور ہوئی ، البتہ حکومت کے تصرفات اور اختیارات اسلامی نظام میں بہت وسیع ہیں ۔ اگر ارباب اقتدار تقوے اور نیک دلی سے کوشش کریں تو عوام کی رفاہیت کے لئے بہت کچھ ہو سکتا ہے ۔ وہ غربا کو جاگیریں دے سکتی ہے اور بوقت ضرورت انہیں واپس لے سکتی ہے ۔

آنحضرتؐ نے بلال بن حارث کو مقام قبلیہ (مدینہ سے پانچ میل) کی زمین عطا فرمائی ۔ ابیض بن حمال کو نمک کی کان بخشی ۔ پیلو کے درختوں کا جو حصہ اونٹوں کے سر تک اونچا ہو وہ ان کو بطور حمی عنایت کر دیا ۔ حضرت زبیر کو بہت سی زمین بطور جاگیر عطا فرمائی ۔ عمر ابن حریث کو مدینہ میں رہائشی مکان دیا ۔ وائل بن حجر کو حضرموت میں جاگیر عطا فرمائی اور یہ کام حضرت معاویہ کے سپرد کیا ۔ عبدالرحمان بن عوفؓ اور حضرت عمرؓ کو زمین عنایت فرمائی ۔ انصار کو فرمایا بحرین میں زمین لے لیں ۔ اس کے علاوہ اور بہت سی جاگیریں تھیں جو حسن کار کے صلہ میں عطا فرمائیں ۔ ایسے عطیوں سے ایک صالح حکومت مستحقین کی مدد کر سکتی ہے ۔

جاگیروں کی واپسی کا حق | حکومت کو حق ہے کہ ایسے عطیئے بوقت ضرورت واپس لے لے ۔ ابو عبیدہ

کو آنحضرت نے فرمایا کہ نمک اور پانی کسی کی ملکیت نہیں، یہ سب کا مشترک مال ہے۔ ابیض بن حمال سے نمک کی کان واپس فرمائی کیونکہ آپ کو معلوم ہوا کہ اس سے عوام کو نقصان ہوگا۔

علامہ شوکانی نے حافظ سبکی سے نقل فرمایا ہے والذی یظهر انه یحصل للمقطع بہ الملک اختصاص کاختصاص المتحجر ولکنہ لا یملك الرقبة بذ الك" (نیل الاوطار ۶-۵۷) جاگیردار کو جاگیر سے کچھ خصوصیت ضرور ہو جاتی ہے، لیکن وہ مالک نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ میں اہل علم کی رائے مختلف ہے، ایک گروہ کی یہ رائے ہے جس کا ذکر علامہ شوکانی نے فرمایا کہ جاگیر دراصل ملک ہوتی ہی نہیں، اس لئے حکومت اسے جب چاہے ضبط کرسکتی ہے، اور جاگیردار بے دخل ہو سکتا ہے۔

شخصی ملکیت میں مداخلت حضرت خالد بن ولید نے قنسرین سے رومیوں پر حملہ کیا، بہت سا مال غنیمت لائے۔ اشعث بن قیس کو اس سے دس ہزار روپیہ دیا، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالد کو طلب فرمایا، جب خالد آئے تو انہیں دیکھ کر فرمایا۔

صنعت ولم یصنع کصنعك صانع وما یصنع الا قوم فالله صانع

تم نے وہ کام کیا جو دوسرا کوئی نہ کر سکا، تو میں جو کرتی ہیں وہ خدائے عزوجل ہی کا کام ہے۔

پھر فرمایا تم اتنا روپیہ کہاں سے دیتے ہو؟ فرمایا اموال غنیمت میں سے! پھر حضرت خالد کی ذاتی ملکیت کا اندازہ فرمایا اور اس میں سے بیس ہزار روپیہ ضبط فرما لیا اور فرمایا "واللہ انک لعلیّ کریم وانک الی حبیب" خدا کی قسم تم میرے نزدیک بہت معزز ہو اور تم سے مجھے محبت ہے۔ پھر انہیں قنسرین سے واپس بلا لیا کیوں کہ حضرت خالد اموال کی تقسیم میں غیر محتاط تھے۔

ملکیت پر سزا کے طور پر قبضہ خیبر کے اطراف میں یہود کی بہت بڑی زمینداریاں تھیں، ساہوکارہ اور تجارت پر بھی وہ قابض تھے، آنحضرت نے ان سے معاہدہ فرمایا جس کا تذکرہ الاموال (۲۰۲) میں ہے یہودی شرارتیں کرتے رہتے تھے، ان عہد شکنیوں کی وجہ سے آنحضرت نے بعض کو خارج البلد کیا اور ان کے املاک اور جائداد پر قبضہ فرمایا۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے ان سب کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی مالک حقوق ملکیت کا غلط استعمال کرے اس کا مال عوام کے لئے مسلسل اذیت کا موجب ہو تو حکومت

عامہ اسے حقوق ملکیت سے محروم کر سکتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کا ایک درخت دوسرے کی زمین میں تھا جس سے مالک زمین کو نقصان ہوتا تھا، اس نے آنحضرت سے شکایت کی، آنحضرت نے فرمایا درخت کا معاوضہ لے لو، اس نے انکار کیا، آنحضرت نے فرمایا تبرعاً اسے چھوڑ دو، اس نے نہ مانا، آنحضرت نے اسے اکھاڑ دینے کا حکم دیا اور فرمایا تم موذی ہو۔ (ابوداؤد وغیرہ) ایسے حالات میں مالک کو بیع پر مجبور کرنا درست ہے، ورنہ کسی ملک کو تلف کیا جاسکتا ہے۔ حکومت کو یہ دونوں اختیار شرعاً حاصل ہیں، کیونکہ مالک نے خود اپنی ملکیت کا احترام نہیں کیا۔ (الحسبہ۔ ۲۶)

اسی طرح ظالم خاوند سے مخلصی کے لئے شریعت نے فسخ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب کوئی شخص اپنے حقوق کا غلط استعمال کرے گا تو حکومت کو حق ہے کہ وہ ان حقوق کو ضبط کرلے۔ خاوند کی ظالمانہ برتری کو بذریعہ فسخ ختم فرمادیا گیا۔ لا تظلمون ولا تظلمون!

حکومت اور تحفظ اخلاق عوام کے اخلاق کی حفاظت دینی حکومت کا بنیادی فرض ہے۔ تخریب اخلاق کی تمام راہیں بند ہو جانی چاہئیں۔ اسلام نے مال اور تجارت وغیرہ پر اخلاقی دولت کو ترجیح دی ہے کیونکہ اخلاقی انحطاط کے بعد ملک کی دولت و ثروت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ حضرت ابوبکرؓ کو حضرت خالدؓ نے اطلاع دی کہ وہاں کسی شخص کو لواطت کی عادت بہت زیادہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے اس کے جلانے پر زور دیا، حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو لکھا کہ اسے جلا دو، عبداللہ بن زبیر اور ہشام بن عبدالملک نے اس فعل کے مجرم کو جلانے سے اتفاق فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے شراب کی دکان جلادی۔ ایک بستی میں شراب بکتی تھی، اسے بھی جلا دیا۔ سعد بن ابی وقاصؓ اپنے محل میں رہنے لگے، رعیت کو ان سے ملنے میں حجاب ہونے لگا، وہ شکایات لے کر آزادی سے ان کو نہ مل سکتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کا محل جلادیا اور یہ کام محمد بن مسلمہ کے سپرد فرمایا۔ نصر بن حجاج کی خوبصورتی کی وجہ سے عورتیں فریفتہ ہو جاتی تھیں، حضرت عمرؓ نے اسے جلاوطن کر دیا۔ شراب پر شرعی حد تو تھی، لیکن بعض اوقات اس جرم میں قتل تک کی اجازت دی۔ یہ سب کچھ اخلاق کی حفاظت کے لئے تھا۔ آج کا سینما ترقی کا نشان سمجھا جاتا ہے،

حالانکہ اس کی موجودہ صورت اخلاقی خرابیوں کی جڑ ہے۔

لٹریچر کی ضبطی حضرت عمرؓ نے صحابہ کو کثرت روایت سے روک دیا تاکہ آنحضرتؐ کی طرف کوئی جھوٹ منسوب نہ ہو جائے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو تورات پڑھنے سے روک دیا، تاکہ طبیعت میں اسلام کے ابتدائی دور میں شبہات نہ پیدا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے "مصحف الامام" کی اشاعت کے بعد قرآن کے غیر مستند نسخے جلانے کا حکم دیا، تاکہ قرآن کی صحت میں شبہ نہ پیدا ہو۔ حکومت کا فرض ہے کہ ایسے تمام لٹریچر کو ضبط کرے یا جلا دے جس سے اعتقاد خراب ہو یا اخلاق پر برا اثر پڑے۔

حکومت اور اجتہاد حافظ ابن جریر کا خیال ہے کہ اجتہاد کا حق صرف قاضی کو ہے۔ یہ حصر تو شاید مسلّم نہ ہو، لیکن اس میں شک نہیں کہ امیر اور حاکم کو بعض مسائل کے متعلق مصالح شرعیہ کی بناء پر مخصوص اجتہاد کا حق ہے وہ کتاب و سنت کے دلائل کی بنا پر عام علماء کی رائے کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے۔ یکدفعہ تین طلاق آنحضرتؐ کے زمانہ خیر سے لے کر حضرت عمرؓ کی خلافت تک ایک ہی شمار ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے وقتی مصالح کی بنا پر انہیں تین ہی نافذ فرمایا (صحیح مسلم)، عیسائی عورتوں کا نکاح مسلم سے جائز تھا، روم کی فتوحات میں مسلمان فوجی رومی عورتوں سے بکثرت نکاح کرنے لگے تو حضرت عمرؓ نے اسے حکماً رد کر دیا اور فرمایا کہ عیسائی عورتیں جب اکثر مسلمان گھروں میں آباد ہو جائیں گی تو مسلمان عورتیں کیا کریں گی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک رسالہ مذہب عمرؓ کے نام سے لکھا ہے جس میں حضرت عمرؓ کے اجتہادات جمع فرمائے ہیں، جس سے حکومت کی اجتہادی وسعت کا علم ہوتا ہے۔

وقف میں تصرف وقف کی شرعی حیثیت معلوم ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اس مسئلہ میں احتیاط اہل علم سے مخفی نہیں، وہ وقف میں تبدیلی جائز نہیں سمجھتے۔ امام احمد کا مسلک ہے کہ اگر وقف کی نوعیت اور واقف کے مقصد کو تبدیلی سے فائدہ ہو تو بدلنا درست ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ ذکر فرمایا ہے جس سے امام احمد کی تائید ہوتی ہے قد جوز احمد ابدال المسجد بمسجد للمصلحة كما جوز تغييره للمصلحة واحتج بان عمر بن الخطاب ابدل مسجد الكوفة القديم بمسجد آخر وصار المسجد الاول سوقاً للتمارين (فتاوی ابن تیمیہ ۳ - ۳۸۰) امام احمد مسجد کو دوسری عمارت یا جگہ سے بدلنا جائز

سمجھتے ہیں جس طرح مصالح کی بنا پر اس کے اندر تبدیلی کرنا درست ہے۔ حضرت عمرؓ نے کوفہ کی پرانی مسجد کو دوسری مسجد سے بدلوایا، پہلی مسجد شارعِ عام اور بازار بن گئی۔ وقف کے مسائل شیخ الاسلام نے فتاوی کی دوسری جلد ص ۲۱۰ میں کسی قدر بسط سے لکھے ہیں۔ علی الطالب ان یرجع الیہ!

حکومت اور جرمانے امر بالمعروف حکومت کا فرض ہے۔ اس ذمہ داری کو حکومت نظر انداز نہیں کر سکتی۔ امت اسلامیہ کی بعثت کا یہی مقصد ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الخ۔ اسلامی حکومتوں میں اسی مطلب کے لئے ایک مستقل وزارت تھی جسے ولایۃ الحسبہ کہتے تھے اور ممالک مغرب میں اس کا نام ولایۃ الحساب تھا۔ اس کا دائرہ عمل بہت وسیع تھا چند خاص سزاؤں کے سوا باقی تمام تعزیرات کا تعلق اسی وزارت سے تھا۔ اسی طرح مالی سزاؤں اور جرمانوں کا اختیار بھی حکومت کو حاصل ہے آنحضرت نے فرمایا میرا خیال ہے کہ جو لوگ جمعہ اور جماعت بلاوجہ ترک کر دیتے ہیں ان کے مکان جلا دوں۔ رویشد نامی ایک شخص شراب کی دکان کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کی دکان کو جلا دیا اور فرمایا تم فویسق ہو۔ حضرت علیؓ نے ایک بستی جلادی جس میں شراب بکتی تھی۔ یہود کا باغ بویرہ نامی آنحضرت نے جلا دیا حضرت زبیرؓ ریشم کی قمیص پہنے ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے اسے پھاڑ دیا۔ ایک شخص دودھ میں پانی ملا کر بیچ رہا تھا حضرت عمرؓ نے اس کا دودھ گرا دیا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ مال تلف کرنے کی بجائے اگر اسے صدقہ کر دے تو زیادہ اچھا ہے۔ مالک کو سزا ہو گی اور مسکین کو فائدہ۔ اگر تہبند ٹخنوں سے نیچے ہوتا تو بعض صحابہ نچلے حصہ کو پھاڑ ڈالتے یہ تمام سزائیں جن کی شرعاً اجازت ہے اس کی اور بھی بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں۔ حکومت ان سے فائدہ اٹھا سکتی ہے اس سے بھی مساکین کو فائدہ مل سکتا ہے۔

بدنی سزا حکومت بدنی سزا بھی دے سکتی ہے۔ امر بالمعروف میں بعض دفعہ بدنی سزا کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں، بعض جرائم پر حدیں مقرر ہیں، حکومت اس میں کمی بیشی تو نہیں کر سکتی، لیکن وقت اور ظرف کا خیال رکھنا حکومت کا فرض ہے۔ میدان کارزار میں عموماً ایسی سزائیں نہیں دی جاتیں جن جرائم میں سزائیں مقرر نہیں ان میں جرم، مجرم، وقت، حالات، کیفیتِ جرم ملاحظہ کرنے کے بعد حکومت کو حق ہے کہ سزا کی مقدار متعین کرے۔ موالک کا مسلک اس معاملہ میں بہت وسیع ہے، وہ تعزیر میں موت تک

کی سزا جائز سمجھتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک اس میں محتاط ہے۔ شراب کی سزا معین نہ تھی، صحابہؓ نے بعض مصالح کی بنا پر اسے دوگنا کر دیا۔ ایک عورت اور مرد ایک لحاف میں سو رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے انہیں سو سو درّے لگوائے۔ ایک شخص نے بیت المال کی مُہر بنوا کر بیت المال سے روپیہ نکلوا لیا، اُسے متواتر تین دن تک سو سو درّے لگتے رہے۔ اگر امت کے ارباب حل وعقد کے منتخب کردہ امیر کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص امارت کی بیعت لے تو دوسرے کو قتل کا حکم دیا تاکہ امت میں تفرقہ نہ ہو۔ اس قسم کے وسیع اختیارات حکومت کو حاصل ہیں جس سے شر کو دبایا جا سکتا ہے۔ اگر سرمایہ دار عیاشیوں کا مرتکب ہو تو حکومت صالحہ ان اختیارات کی بدولت اس بدمعاشی کو روک سکتی ہے۔ لیکن ارباب حکومت خود ہی ان عیوب میں مبتلا ہوں تو "کفر از کعبہ" کا کوئی علاج نہیں۔

واضح رہے کہ سزاؤں میں ذاتی انتقام اور محض رعب جمانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ حضرت عمرؓ نے بعض عمال سے فرمایا "متی استعبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرارا" "جب لوگ پیدائشی طور پر آزاد ہیں تو تم انہیں غلام کیوں بناتے ہو۔" حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں فرمایا "واللہ ما ارسل عمالی لیضربوا ابشارکم ولا لیاخذوا اموالکم ولکن ارسلھم لیعلموکم دینکم وسنتکم فمن فعل سوی ذالک فلیرفعہ الی فوالذی نفس عمر بیدہ لاقصنہ منہ" (معاصرات ۲ - ۱۸) سرکاری کارکنوں کو یہ حق نہیں کہ وہ بلاوجہ بدنی سزا دیں، ان کا ذمہ یہ ہے کہ وہ عوام میں دین کی اشاعت کریں۔ اگر کوئی بلاوجہ سزا دے گا، میں اس سے قصاص لوں گا (چنانچہ حضرت عمرؓ نے حج کے موقع پر اپنے ایک عامل سے ایک شہری کو کوڑوں کا قصاص لینے کا حق دیا)۔

تجارت کی آزادی اور کنٹرول اسلام کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ تجارت آزاد ہو۔ حکومت اس میں کوئی مداخلت نہ کرے۔ تاجر مال کی درآمد برآمد بلاخوف کر سکیں، حمل ونقل میں حکومت کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہو، اس میں رشوت، تحفے اور ڈالیوں کا سلسلہ قطعی بند ہو، کیونکہ اس کا بوجھ آخرکار عام خریداروں پر آپڑے گا۔ جرم کوئی کریگا اور جرمانہ کسی کو دینا ہوگا۔ اس لئے حکومت کو اس معاملہ میں پوری ہوشمندی سے عمال کا احتساب کرنا چاہیئے تاکہ تجارت پوری طرح آزاد رہے۔ تاجر ملک میں ریڑھ کی ہڈی ہے اسے ہر آنچ سے بچانا چاہیئے۔

تاجر کا فرض ہے کہ وہ تجارت تمدنی نقطۂ نظر سے کرے اور اسے ملک کی خدمت سمجھے۔ احتکار و اکتناز، دھوکہ بازی اور ناجائز منافع اندوزی سے بچے اور سچ بولنے کی کوشش کرے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے "التاجر الصدوق الامین مع السفرۃ الکرام البررۃ" سچا تاجر فرشتوں کا رفیق اور ساتھی ہے۔ لیکن اگر تاجر اپنے اس مقام کی تقدیس کو نہ سمجھے، وہ فرشتوں کی بجائے شیطان کی عادتیں اختیار کرے، اس مقدس پیشہ کو دھوکے اور بے ایمانی، جھوٹ اور تطفیف سے گندہ کرے تو حکومت کو حق ہوگا کہ وہ اس میں مداخلت کرے اور عوام کو اس کے شر سے بچائے اور تاجر کو مجبور کرے تاکہ اس سے عوام کو فائدہ ہو۔

حدیث میں آیا ہے:۔ ایک دفعہ مدینہ میں نرخ بہت زیادہ ہوگئے، آنحضرتؐ کو توجہ دلائی گئی کہ وہ اس میں مداخلت فرمائیں اور نرخ مقرر فرمادیں، آنحضرتؐ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کسی پر ظلم ہو اور اس کی ذمہ داری مجھ پر آئے۔ اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے بیوپار میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھا اور تاجروں کو اس معاملہ میں آزاد چھوڑ دیا، لیکن جو وجہ آپ نے بیان فرمائی، اس کا یقینی مطلب یہ ہے کہ جب تاجر ظلم شروع کردیں، نفع اندوزی کا مرض عام ہوجائے، تجارت شہری اور تمدنی مفاد کے بجائے شخصی مفاد کے لئے مخصوص ہوجائے اور عوام پر اس نفع اندوزی اور بلیک مارکیٹ سے مصیبت اور دکھ طاری ہوجائے تو اس ظلم سے عوام کو بچانا بھی حکومت کا فرض ہے۔ اس ظلم کی ذمہ داری سے بچنے کے لئے حکومت کو مداخلت کرنا چاہیئے۔ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں واذا تضمن العدل بین الناس مثل اکراھھم علی مایجب علیھم من المعاوضۃ بثمن المثل ومنعھم مما یحرم علیھم من اخذ الزیادۃ علی عوض المثل فھو جائز بل واجب (الطرق الحکمیہ ۲۲۴) جب کنٹرول سے ہی لوگوں میں انصاف ہوسکے تو انہیں مناسب قیمتوں پر پابند کیا جائے، انہیں کثرت منافع اور حرام خوری سے منع کیا جائے۔ یہ کنٹرول صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔

دوسری حدیث میں اس کی صراحت بھی فرمائی ہے۔ جب ایک غلام مشترک ہو اور ایک حصہ دار اپنا حصہ آزاد کردے تو اسے چاہیئے کہ (بشرط استطاعت) باقی حصہ داروں سے ان کے حصے خرید کرلے، غلام آزاد کردے۔ باقی حصوں کی قیمت (اگر حصہ دار زیادہ طمع کریں) تو حکومت مقرر کردے گی۔ اور ۔۔۔ مثل یعنی مناسب

قیمت وصول کر کے غلام آزاد کر دیا جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ بوقتِ ضرورت حکومت تجارت میں مداخلت کر سکتی ہے۔ (ابن تیمیہ الحسبۃ (۲۰) میں فرماتے ہیں) اما اذا کانت حاجۃ الناس لاتندفع الا بالتسعیر العادل سعّر علیہم تسعیر عدل لا وکس ولا شطط۔ جب کنٹرول کے سوا عوام کی ضرورت پوری نہ ہو تو حکومت کو منصفانہ قیمت مقرر کر دینی چاہیئے جس میں کمی بیشی نہ ہو۔

نظام حکومت کی خرابی یا قحط سالی ایسے قدرتی حوادث کے وقت حریص تاجر اور ذخیرہ اندوز زمیندار عوام کے لئے مصیبت بن جاتے ہیں۔ ان کے ظلم سے عوام کی حفاظت حکومت عادلہ کا فرض ہے۔ شیخ فرماتے ہیں "فان کان ارباب الطعام یتعدون ویتجاوزون القیمۃ تعدیا فاحشا وعجز القاضی عن صیانۃ حقوق المسلمین الا بالتسعیر سعر حینئذ بمشورۃ اھل الرای والبصیرۃ فاذا تعدی احد بعد ما فعل اجبرہ القاضی وھذا اعلی قول ابی حنیفۃ ظاہر (الطرق۔ الحسبۃ) جب غلہ کے مالک قیمتوں میں فحش رکھلی کھلی ظالمانہ زیادتی کریں اور قاضی معتدل قانون سے عوام مسلمین کے حقوق کی حفاظت نہ کر سکے تو ان حالات میں اہل بصیرت کے مشورے سے قیمتوں پر کنٹرول کیا جائے گا، اس کے بعد جو شخص ان نرخوں سے زیادہ وصول کرے مجسٹریٹ یا حاکم شہر اس پر سختی کر سکتا ہے۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق زیادہ واضح ہے اھ حضرت امام ابو حنیفہؒ تجارت کی آزادی کے بہت زیادہ حامی ہیں، لیکن ان کے مذہب کے مطابق بھی ان حالات میں کنٹرول درست ہے۔ لیکن کنٹرول کی یہ صورت صحیح نہیں کہ افسر بنگلوں میں بیٹھ کر تاجروں سے رشوتیں لے کر نرخ مقرر کر دیں بلکہ تمام متعلقین (تاجر اور خریداروں) کے مشورہ سے نرخ مقرر ہونے چاہیئے۔ ینبغی للامام ان یجمع وجوہ اھل سوق ذالک الشئ ویحضر غیرھم استظہارا علی صدقہم فیسئلہم کیف یبیعون وکیف یشترون فینازلہم الی ما فیہ لہم وللعامۃ سداد حتی یرضوا (الحسبہ) حکومت عوام اور تاجروں کے نمائندوں کو جمع کرے اور دونوں کی مشکلات ان سے معلوم کر کے فریقین کو ایسی سطح پر لے آئے جس میں دونوں کو نقصان نہ ہو بلکہ فائدہ ہو اور وہ مطمئن رہیں۔ اھ

خوراک اور حکومت کی ذمہ داری خوراک کا مسئلہ ایمان و دیانت کے بعد زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے

حکومت کی ذمہ داریاں اس میں بہت زیادہ واضح ہیں۔ جو حکومت افرادِ رعایا کی موت کے بعد ان کے قرضوں کا ذمہ لیتی ہے، ان کے بچوں کی کفالت کا بوجھ برداشت کرتی ہے، وہ خوراک کے معاملہ میں منافع اندوزوں اور بلیک مارکیٹ کرنے والے درندوں کا تماشہ خاموشی سے کیونکر دیکھ سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے قحط کے دنوں میں گھی اور دودھ کا استعمال بالکل ترک کر دیا، کبھی کبھی تیل کا استعمال فرما لیتے، لنگر میں بطور خادم خود شرکت فرماتے، مساکین میں کھانا تقسیم فرماتے، پوری ذمہ داری سے محاسبہ فرماتے کہ کوئی شخص بھوکا نہ رہے، غلہ کی فراہمی میں انتہائی کوشش کرتے، مختلف صوبوں سے حمل ونقل کے ذرائع پر گہری نظر رکھتے، اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی نظام میں خوراک کے مسئلہ کو کس قدر اہمیت[لہ] ہے۔

ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ کا حکم | اسلامی نظام میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ تجارت بالکلیہ آزاد ہو، نہ حکومت نرخ مقرر کرے، نہ ٹیکسوں کی بھرمار کی جائے تاکہ خوراک اور ضروریات زندگی ارزاں سے ارزاں ہو کر عوام تک پہنچیں، لیکن اگر تاجر اس آزادی سے غلط فائدہ اٹھائیں تو حکومت کو پوری طرح انضباط اور کنٹرول کا حق ہے۔ پچھلے دنوں ذخیرہ اندوز تاجروں اور رشوت خوار حکام کے اتحاد سے جو اندھیر مچایا گیا تھا، اسلام اسکی اجازت نہیں دیتا اور نہ کوئی مسلمان ایسا کر سکتا ہے۔ بنگال کا قحط بھی ایسے ہی غیر ذمہ دار لوگوں کی حرکات کا نتیجہ تھا۔ ایسے لوگوں پر خدا کی رحمت حرام ہے۔ ایک حدیث میں ہے "المحتکر ملعون" (ذخیرہ کرنے والا لعنتی ہے)۔ دوسری حدیث میں ہے "لا یحتکر الا خاطئ" ذخیرہ کرنا گناہ ہے۔ حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہ اللہ نے الحسبہ اور الطرق الحکمیہ میں ان مسائل پر مبسوط مباحث لکھے ہیں اور شخصی ملکیت کے احترام اور مفاد عامہ کی حفاظت کے مسائل میں حکیمانہ تجزیہ فرمایا ہے، جسے بوجہ تطویل نظر انداز کرنا پڑا۔ یہ تمام مباحث حدودِ قانون کے تعین سے متعلق ہیں۔ اگر معاملہ حد سے گذر جائے اور قحط یا بدنظمی کی وجہ سے قانون کی حدود ٹوٹ جائیں تو اس وقت اہل ثروت اور بلیک مارکیٹ کرنے والے درندوں سے ایک اخلاقی اپیل

لہ حضرت عمرؓ کو تو جانوروں تک کی خوراک کا پورا پورا لحاظ تھا۔ ایک صاحب نے مدینہ میں تجارتی اغراض کے لئے گھوڑے پالنے کے واسطے اصطبل قائم کیا تو اس کو حکماً اس بات کا پابند فرمایا کہ اپنے گھوڑوں کے لئے چارہ باہر سے منگاؤ گے، ورنہ مدینہ میں چارے کی قلت ہو گئی یا گراں ہونے لگا تو غریب لوگوں کو تکلیف ہو گی اور ان کے جانور بھوکوں مریں گے۔ (ن۔ص)

کے بعد حکومت کو چاہیئے کہ مفاد عامہ کی حفاظت کے لئے جبراً جو کر سکتی ہے، کر گذرے اور شخصی ملکیتوں کے احترام کو بالائے طاق رکھدے۔ جو لوگ عوام کی ضروریات یا اپنی ملکیتوں کا خود احترام نہیں کرتے، حکومت بھی ان کے احترام کی ذمہ دار نہیں۔ اس مسئلہ میں حافظ ابن حزم کی تصریحات قابل غور ہیں۔ ابن حزم ظاہر کتاب و سنت کے قائل ہیں۔ وہ قیاس اور تقلید کی کوئی مقدار بھی قبول نہیں فرماتے، اس لئے وہ جس قدر کھل کر فرما رہے ہیں، شاید مذاہب مروجہ کے ارباب فکر وہاں تک پرواز نہ کر سکیں۔

۲۵ تا ۳۵ قال ابن حزم فرض علی الاغنیاء من اھل کل بلد ان یقوموا بفقرائھم ویجبرھم السلطان علی ذالک ان لم تقم الزکوٰۃ بھم ولا فی سائر اموال المسلمین بھم فیقام لھم بما یاکلون من القوت الذی لا بد منہ ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذالک وبمسکن یکنھم من المطر والصیف والشمس وعیون المارۃ (محلی ۶ - ۱۵۷)

اگر زکوٰۃ وغیرہ مساکین کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہوں تو دولتمند لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے شہر کے فقرا کے لئے خوراک، سردی اور گرمی کے لئے مناسب کپڑے اور مکان کا انتظام کریں جو انہیں بارش گرمی اور سردی سے بچا سکے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو حکومت انہیں اس پر مجبور کرے۔ امام نے یہ استدلال دو آیتوں سے کیا ہے وآت ذالقربیٰ حقہ اور والذین فی اموالھم حق للسائل والمحروم۔ امام کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں فقرا کا حق تسلیم کیا گیا ہے، پس حقدار اپنا حق جبراً لے سکتا ہے اور حکومت کو اسکی مدد کرنا چاہیئے امام نے اس مقام پر بعض احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جسے بخوف اطناب ترک کر دیا گیا ہے۔ قال عمر بن الخطاب لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتھا علی فقراء المہاجرین وھذا اسناد فی غایۃ الصحۃ (محلی ۶ - ۱۵۸) اگر مجھے آنے والے واقعات کا علم ہوتا تو میں دولتمند لوگوں سے زائد مال لے لیتا اور اسے فقرا مہاجرین میں بانٹ دیتا، اور اس کی سند بہت صحیح ہے۔ یہ مضمون ایک فوع حدیث میں بھی آیا ہے جو حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں حتیٰ رأینا انہ لا حق لاحد منا فی فضل؛ ہم نے سمجھا کہ زائد چیز میں ہمارا کوئی حق ہی نہیں ہے۔ للہ ما ادق نظرہ! محمد بن حنفیہ حضرت علی سے روایت فرماتے ہیں: ان اللہ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقراءھم (محلی) اہل ثروت کے

مالوں میں فقرا کا اتنا حق ہے جتنا ان کی ضروریات کو کافی ہے۔

ایک دفعہ جنگ میں راشن ختم ہوگیا۔ ابو عبیدہ نے تین سو صحابہ کی موجودگی میں تمام راشن ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا اور سب کو برابر راشن تقسیم کر دیا۔ ابن حزم فرماتے ہیں فھذا اجماع مقطوع من الصحابة لا مخالف لھم منھم یہ صحابہ کا اجماع ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ یعنی غیر معمولی حالات میں غذا اور دوسری ضروریات کو پوری رعایا کے بہم پہنچانے کے لئے یکجا جمع کر کے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

لوٹ کی اجازت ابن حزم کا خیال ہے کہ جب غربا اور فقرا موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہو جائیں اور دولتمند اس اضطرار کا احساس نہ کریں تو بھوکے مساکین کو اجازت ہے کہ بقاء حیات کے لئے ایسے لوگوں کو لوٹ لیں اور جبراً ان سے بقدر قوت[1] لے لیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں اگر آپ کے پاس کھانا ختم ہو جائے اور آپ کے ساتھی کے پاس ضرورت سے زائد خوراک موجود ہو تو اس حال میں بطور اضطرار آپ خنزیر وغیرہ محرمات کا استعمال نہیں کر سکتے۔ بلکہ آپ کو ساتھی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس کا فرض ہے کہ آپ کو کھانا دے، اگر وہ اخلاقاً اس فرض کا احساس نہ کرے تو ابن حزم کا فتوےٰ یہ ہے ولہ ان یقاتل علی ذالک فان قُتِلَ فعلی قاتلہ القود وان قتل المانع فالی لعنۃ اللہ لانہ منع حقاً وھو طائفۃ باغیۃ (محلی ۷-۱۵۹)

فقیر کو لڑکر خوراک حاصل کرنی چاہیئے اگر فقیر مارا جائے تو اس کے قاتل پر اس کا خون بہا ہوگا اور اگر غنی مارا جائے تو اس پر خدا کی لعنت ہوگی، وہ باغی ہے، اس نے فقیر کا حق روک لیا اور اسے لڑنے پر مجبور کیا۔[2]

دوسرا رُخ زمیندار، کارخانہ دار اور تاجر اسلامی قانون میں پابند ہیں کہ غریب لوگوں کے لئے تکلیف کا موجب نہ بنیں۔ تسعیر اور کنٹرول اور نرخوں کی پابندی سے ان پر ظلم کی راہیں بند کر دی گئی ہیں ٹھیک اسی طرح کاشتکار اور مزدور کے لئے بھی راہ عمل متعین ہے۔ اسلامی تمدن کے لحاظ سے ان پر بھی ایک ذمہ داری عاید ہے جسے پورا

[1] یعنی صرف اتنا جس سے روح و بدن کا رشتہ استوار رہ جائے۔ [2] شریعت اللہ کے قانون کا نام ہے اور اس قانون میں جو رخصت جس حد تک ہو، ایک مومن اس سے آگے بڑھنے کے لئے اپنی مرضی سے کوئی اسکیم تیار کرنے یا دوسروں کو اس کی اجازت دینے کا مستحق نہیں کیونزم کی طبقاتی جنگ۔ ایک انتہائی صورت ہے جس کا جواز ان استثنائی واقعات سے ثابت نہیں ہوتا۔

(ف۔ ص)

کرنا ان کا فرض ہے۔ مزدوروں کے جتھے جس طرح ہلڑ مچاتے ہیں اور اشتراکی تحریکات کی قیادت میں جس طرح لُوٹ مار کی دھمکیاں دیتے ہیں، اسلامی قانون اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر مزدور پر ظلم ناجائز ہے تو مزدور کو بھی ظلم کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اگر کارخانہ دار مزدور کے حقوق پورے کرے تو مزدور پر بھی فرض ہے کہ پوری دیانتداری سے کام کریں لا تظلمون ولا تظلمون۔ یہ عام قاعدہ ہے اور اس سے مزدور مستثنیٰ ہے نہ سرمایہ دار۔

اما الثانی فمثل ان یمتنع ارباب السلع من بیعھا مع ضرورۃ الناس الیھا الا بزیادۃ علی القیمۃ المعروفۃ فھو ھنا یجب علیھم بیعھا بقیمۃ المثل ولا معنیٰ للتسعیر الا الزامھم بقیمۃ المثل (الحسبہ ص ۲۴) اگر صنّاع حرفت سامان کے لیے مناسب قیمت سے زیادہ دام طلب کریں تو انہیں قیمتِ مثل پر مجبور کیا جائے گا۔ کنٹرول کا یہی منشا ہے اھ

اسی طرح اگر حکومت کسی خاص آدمی کو پرمٹ دے اور دوسرے لوگوں کو اس کی بیع سے روک دے تو حکومت کا فرض ہے کہ اس کی خرید و فروخت پر پوری طرح کنٹرول کرے تاکہ بائع اور مشتری دونوں دستور کے مطابق قیمت وصول کر سکیں ورنہ اس قسم کے پرمٹ اور پابندی شرعاً حرام ہے اور ظلم۔ شیخ الاسلام دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

والمقصود ان ھذہ الاعمال التی ھی فرض علی الکفایۃ متیٰ لم یقم بھا غیر الانسان صارت فرض عین علیہ لاسیما اذا کان غیرہ عاجزاً عنھا فاذا کان الناس محتاجین الیٰ فلاحۃ قوم او نساجتھم او بنائھم صار ھذا العمل واجباً یجبرھم ولی الامر علیہ اذا امتنعوا عنہ بعوض المثل ولا یمکنھم من مطالبۃ الناس بزیادۃ علی عوض المثل ولا یمکن الناس من ظلمھم بان یعطوھم دون حقھم (الحسبہ ص ۲۴)

بعض کام فرض کفایہ ہیں، لیکن جب اُن کے کرنے والے کم ہو جائیں اور لوگوں کو ان کی ضرورت ہو تو وہ فرض عین ہو جائیں گے۔ کاشتکاری، معماری، کپڑا بنانا جب ان کی زیادہ ضرورت ہو تو یہ فرض عین ہونگی۔ حکومت ان کے نرخ معین کریگی نہ مزدوروں کو ظلم کا موقعہ دیا جائے گا کہ وہ زیادہ معاوضہ طلب کر کے عوام

کو تنگ کریں، نہ عوام کو اجازت دی جائیگی کہ وہ مزدور کو اس کے حق سے کم دیں۔ ہر ایک قیمت مثل پر کفایت کرے گا۔ اسی کی تائید ایک دوسرے مقام سے ہوتی ہے۔ والمقصود ھنا ان ولی الامر ان اجبر اھل الصناعات علی ما یحتاج الیہ الناس من صناعاتھم کالفلاحۃ والحیاکۃ والبنایۃ فانہ یقدر اجرۃ المثل فلا یمکن المستعمل من نقص اجرۃ الصانع عن ذالک ولا یمکن الصانع من المطالبۃ باکثر من ذالک حیث تعین علیہ العمل وھذا من التسعیر الواجب الحسبہ ۲۷

حکومت جب کاریگروں کو کام کرنے پر مجبور کرے تاکہ عوام کی ضرورتیں پوری ہوں مثلاً کاشتکاری، کپڑا بنانا، عمارت کا کام، تو حکومت کا فرض ہوگا کہ نرخ معین کر دے تاکہ نہ مزدور کے حق میں کمی ہو اور نہ عوام پر ظلم ہو۔ اس قسم کا کنٹرول بوقت ضرورت واجب ہے۔ جس طرح قیمتوں کی زیادتی پر احتساب اور کنٹرول ضروری ہے اسی طرح کمی پر بھی احتساب درست ہے۔ اگر کوئی شخص ضرورت کی بنا پر اپنی چیز اتنی کم قیمت پر بیچتا ہے جس سے دوسرے تاجروں کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو حکومت کو اختیار ہے کہ اس کا مال بازار سے اٹھوا دے تاکہ دوسرے تاجروں کو خسارہ نہ ہو۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے منقی بہت کم قیمت پر بیچنا شروع کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اما تزید فی السعر واما ان ترفع من سوقنا۔ پورے نرخ پر بیچو یا سامان بازار سے اٹھالو اور اسے پرائیوٹ طور پر بیچو تاکہ بازار والوں کو نقصان نہ پہنچے۔ اسلام کے قانون میں سرمایہ دار، مزدور، کسان، زمیندار سب سوسائٹی کے اجزاء ہیں اور معاشرہ کی تشکیل میں سب کا مساوی حصہ ہے، اس لئے کسی کی تخریب یا تباہی اس قانون میں ممکن نہیں، بلکہ ہر ایک کو قانون کی حدود کا پابند ہونا ہوگا۔ ہڑتالوں اور ہڑبونگ سے ملک کے نظام کو خراب کرنا قطعاً درست نہیں، کشت و خون اور انارکی سے ملک کے نظام امن کو تباہ کرنا، اس کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں۔ بعض سیاستدانوں نے کبھی اسلامی سوشلزم کا لفظ استعمال کیا تھا[1]۔ اگر اس کا کوئی مفہوم ہو سکتا ہے تو وہ اس معتدل قانون کی صحیح تعبیر ہے، ورنہ مغربی سوشلزم سے تو اسلام کو کوئی واسطہ نہیں۔ اسلام خود ایک جامع قانون ہے جس کی تعبیر نہ اشتراکیت سے ہو سکتی ہے نہ

[1] مولینا کہا تھا "کبھی"، ابھی چند روز پہلے ہزاروں مسلمانوں کے مجمع میں لاہور میں اسے دوہرا کر پھر تازہ کیا گیا ہے۔ اس اصطلاح کے مصنفین بیرون اسلام اور مومنین اشتراکیت دونوں کو راضی کرنا چاہتے ہیں (ن۔ ص)

کمیونزم سے۔ ملتِ عشق کی اپنی خاص راہ ہے، اس میں کوئی اشتراک نہیں ؎

ملتِ عشق از ہمہ ملت جدا است عاشقاں را مذہب و ملت خدا است

گذارشات اختصار کی کوشش کے باوجود بہت لمبی ہو گئی ہیں، لیکن بلحاظ اہمیت موضوع بیحد مختصر ہیں کئی زاویوں کی طرف توجہ ہی نہیں ہو سکی، کئی تشنۂ تکمیل ہیں، ان میں صرف اشارات پر اکتفا کرنا پڑا۔ ایک نامکمل اور ابتدائی کوشش ہے، اہل علم کو اس پر قلم اٹھانا چاہیے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر لکھنا چاہیے۔ یہ وقت کے اہم مسائل ہیں، ہدایت کے متلاشی اگر اہل علم سے رہنمائی کے خواہشمند ہوں تو اہل علم کو اپنا فرض پہچاننا چاہیے۔

واللہ ولی التوفیق!

اعلان

ہمارے ہاں مندرجہ ذیل کتب جو شائع ہیں مدت سے ختم تھیں چھپ کر آ چکی ہیں۔ ضرورتمند حضرات طلب فرما سکتے ہیں:۔

رسالہ دینیات	طبع ہفتم	۱-۸-۰
تفہیمات	طبع پنجم	۴-۰-۰
سیاسی کشمکش حصہ سوئم	طبع ششم	۲-۸-۰
حقوق الزوجین	طبع سوئم	۱-۸-۰
حقیقتِ شرک	طبع سوئم	۲-۰-۰
اشتراکیت اور نظام اسلام	طبع سوئم	۵-۰-۰

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جماعت اسلامی۔ ذیلدار پارک۔ اچھرہ